فیض احمد فیضؔ اور مہدی جواہریؔ کی مشترکہ شعری جہات

Faiz Ahmad Faiz and Mehdi Jawahiri: Common Aspects of their Poetry

Syed Waqar Haider Naqvi
PhD. Scholar, Arabic, NUML, Islamabad.
E-mail: Izathaider@gmail.com

Dr. Kafait Ullah Hamdani
Head of the Arabic department NUML Islamabad
E-mail: Kuhamdani@numl.edu.pk

Abstract

The poetry focuses on the aspects that are generally overlooked or disregarded and presents them in an enchanting way. That is why poetry is considered to be the most effective mode of expression. This article provides a comparative overview of some common aspects of two 19th century poets, Faiz Ahmed Faiz and 'Mehdi Jawahiri'. A comparative overview of three common themes of the poetry of these poets, i.e Elegy (Marthiya), Society and Humanity is provided. Actually, both of them have generally conveyed the message to mankind that if they do not raise their voice against the oppressors and in the favor of the oppressed, they lack humanity.

Keywords: Jawahiri, Faiz, Literature, Society, Humanity, Poetry.

خلاصہ

شعر و شاعری انسانی زندگی کے اُن پہلوؤں کو پیش کرتی ہے جنہیں عام طور پر نظرانداز کیا جاتا ہے۔ شاعری انہی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی وجہ سے اظہارِ خیال کا انتہائی موثر ذریعہ تصوّر کی جاتی ہے۔ پیشِ نظر مقالہ میں انیسویں صدی کے دو معروف شعراء، فیض احمد فیضؔ اور مہدی جواہریؔ کی مشترکہ شعری جہات کا تحلیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مقالہ نگار کے مطابق، اِن دونوں شعراء نے ہمیں انسانیت کی تکریم کا سبق دیا ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں

انسانیّت کے مصائب کا مرثیہ لکھا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ ظالم کے خلاف اور مظلوم کے حق میں آواز بلند کرنا، انسانیّت کی دلیل ہے۔

کلیدی الفاظ: فیض احمد فیضؔ، مہدی جواہریؔ، ادبیات، شاعری، معاشرہ، انسانیّت۔

فیض احمد فیضؔ

فیض کا اصلی نام فیض احمد خان جب کہ ادبی نام فیض احمد فیضؔ تھا[1] اور آپ ۱۳ فروری ۱۹۱۱ م کو سیالکوٹ کے نواحی علاقے "کالا قادر" میں پیدا ہوئے۔ فیض احمد فیضؔ کا تعلق ایک علمی اور مذہبی گھرانے سے تھا فیض کے والد نے لندن سے بریسٹری کی ڈگری حاصل کی اور واپس آکر وکالت کے شعبہ سے وابستگی اختیار کی۔[2] فیض نے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے گھر سے کیا اور قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم اور اردو زبان اور زبان فارسی سے ابتدائی آشنائی کا آغاز حسب دستور اپنے گھر سے ہی کیا اور پھر تنظیم اسلامی کے تحت چلنے والے پرائمری سکول میں با قاعدہ طور سے رسمی تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد اسکاچ مشن سکول میں داخلہ لے لیا اور دس برس تک اسی سکول میں زیور تعلیم سے آراستہ ہوتے رہے۔ اس دوران فیض نے مولوی ابراہیم سیالکوٹی اور شمس العلماء مولوی میر حسن سے عربی صرف و نحو سمیت دیگر مختلف علوم کی تعلیم حاصل کی۔

اسکاچ مشن اسکول سے ۱۹۲۷ م میں اول درجے میں میٹرک کی ڈگری حاصل کی اور پھر ۱۹۲۹ م میں مرے کالج سیالکوٹ میں داخلہ لیا۔[3] مرے کالج سے ایف اے کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور ۱۹۳۱ م بی اے آنرز کیا اور ۱۹۳۳ م میں انگریزی ادب میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۳۴ م میں عربی زبان و ادب میں ماسٹر کی ڈگری بھی گورنمنت کالج لاہور سے ہی حاصل کی۔[4]

فیض احمد فیضؔ کی ادبی شخصیت اور شعوری سفر دونوں کا آغاز اسی کالج سے ہوا اور فیض نے اس کالج میں صوفی تبسم، پطرس بخاری اور مولانا چراغ حسن حسرت جیسی ادبی شخصیات سے بھرپور استفادہ کیا۔ اگر فیض کی پیشوارانہ زندگی کی بات کی جائے تو فیض نے اپنی زندگی کے مختلف مراحل میں مختلف پیشے اختیار کیے۔ جب فیض گورنمنٹ کالج لاہور میں زیر تعلیم تھے تو اس وقت ایک نجی تجارتی کمپنی میں بطور کلرک کام کرتے رہے۔[5] اور گورنمنٹ کالج سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد (MO) کالج امرتسر میں بطور تدریس فرائض سرانجام دینا شروع کر دیے۔ فیض نے اپنے اس زمانے کو زندگی کے خوبصورت لمحات میں سے قرار دیا ہے۔[6] اسی دوران فیض نے صحافت کے میدان میں بھی قدم رکھا اور ادب لطیف کے نام سے ایک مجلے کی ادارت کی اور اس تجربے کو فیض نے ایک

دلچسپ تجربہ قرار دیا۔[7] اس کے بعد فیض نے ریڈیو میں کام شروع کردیا اور کچھ عرصے کے بعد فوج میں چلے گئے اور وہاں کرنل بنے اور MBE کا خطاب حاصل کیا۔[8]
فوج میں ملازمت کے دوران ایک انگلش اخبار (Pakistan Times) کی ادارت کی پیش کش کی گئی تو فیض نے بادل نخواستہ اسے قبول کرلیا۔[9] پھر فیض نے فلم سازی کی دنیا میں قدم رکھا اور کچھ فلموں کی کہانیاں تحریر کیں۔
فیض احمد فیضؔ نے آرٹس کونسل کے سکریٹری کے طور سے فرائض بھی انجام دیئے۔اس کے علاوہ فیض ثقافتی امور کے مشیر کے طور سے خدمات انجام دیتے رہے اور اس میدان میں بھی بیش بہا خدمات انجام دیں اور پاکستانی ثقافت کے خدوخال اجاگر کرکے دنیا میں پاکستان کے تشخص کو نمایاں کرنے کے لیے بھی سرگرم عمل رہے۔[10]
اور زندگی کے آخری عرصے میں (لوٹس)مجلے کی ادارات کے فرائض سرانجام دیے۔ قابل ذکر ہے کہ فیض نے عملی طور سے ادب کے ساتھ ساتھ انسانیت، دکھوں پر مرہم رکھنے کی کوشش ہمیشہ جاری رکھی اور فیض اردو ادب کے ترقی پسند شاعر شمار ہوتے تھے اور فکری طور سے اشتراکیت سے بھی متاثر تھے۔
فیض نے اپنی انسانی خدمات کی وجہ سے لینن انعام بھی حاصل کیا۔ دنیا بھر کے مختلف ملکوں کے دورے کیے اور ہر جگہ مظلوم انسانیت کے حق میں آواز بلند کی۔ فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کے حق میں جس طریقے سے فیض نے آواز بلند کی اور عملی جدوجہد کی اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ فیض کے یاسر عرفات کے ساتھ انتہائی قریبی تعلقات فلسطین کے مسلمانوں کے ساتھ محبت کی وجہ سے تھے جہاں فیض نے کئی شاندار نظموں میں فلسطین کے مسلمانوں کو موضوع بنایا وہاں عملی طور سے عمر کے آخری حصے لوٹس مجلّہ کی ادارت کے دوران بیروت میں سخت ترین جنگی حالات کا سامنا بھی کیا اور اس وقت تک مظلومین کی حمایت کی خاطر وہاں موجود رہے جب تک محل سکونت بمباری سے متاثر نہ ہوا۔
فیض کی ادبی اور علمی میراث میں دو طرح کے نمونے قابل ذکر ہیں۔ ایک نثری کتب اور دوسرے شعری مجموعے، فیض کے نثری اعمال میں سب سے پہلی کتاب (میزان) ہے جو ۱۹۶۲م میں شائع ہوئی۔[11] دوسری کتاب (صلیبیں مرے دریچے میں) ہے جو فیض اور ان کی بیوی کے درمیان ہونے والی خط وکتابت پر مشتمل ہیں۔اس کتاب میں فیض نے کہا حسبیات معاشرتی علوم کا ایک مستقل موضوع ہے۔[12]
فیض کی دسمبر ۱۹۷۳ میں شائع ہونے والی نثر کی تیسری کتاب (متاع لوح وقلم) ہے۔ فیض کی چوتھی نثری کتاب (سفر نامہ کیوبا) ہے جو جولائی ۱۹۷۳ میں لاہور سے شائع ہوئی۔ فیض کی پانچویں نثر کی کتاب کا نام (مہ وسال آشنائی) ہے جو اگست ۱۹۷۵ کو شائع ہوئی۔ چھٹی اور آخری نثر کی کتاب (انتخاب پیام مشرق) ہے۔ یہ کتاب علامہ

اقبال کی فارسی کتاب پیام مشرق کا انتخاب اور اردو ترجمہ ہے اور یہ ترجمہ منظوم کیا گیا ہے۔ فیض نے اس ترجمے کے توسط پیام مشرق کے دقیق مطالعے کو اپنے لیے سعادت قرار دیا تھا۔[13]

اگر فیض کی شعری میراث کی بات کی جائے تو اس میں سب سے پہلا نام (نقش فریادی) کا ہے جو ۱۹۴۱ میں شائع ہوئی۔ فیض نے اس کے مقدمے میں لکھا کہ یہ کتاب رومانسی اور انقلابی شاعری پر مشتمل ہے۔[14] دوسرا شعری مجموعہ (دست صبا) کے نام سے ۱۹۵۲ میں شائع ہوا۔ اس کتاب کے مقدمے میں فیض نے اپنے ترقی پسند شاعر ہونے کا اظہار کیا۔[15] تیسرا شعری مجموعہ (زندان نامہ) ہے جو ۱۹۵۶ میں شائع ہوا۔ علی عباس جلالی پوری نے اس کو حبسی ادب کا سرمایہ قرار دیا ہے۔[16] چوتھا شعری مجموعہ (دست تہہ سنگ) ہے اور پانچواں شعری مجموعہ (سر وادی سینا) ہے جو اپنے عنوان میں فلسطین کی طرف اشارہ کرتا ہے اور یہ مجموعہ ۱۹۷۱ میں شائع ہوا۔[17] فیض کے چھٹے شعری مجموعے کا نام (شام شہر یاراں) ہے۔ اور ساتواں شعری مجموعہ (مرے دل مرے مسافر) ہے جو ۱۹۸۰ میں شائع ہوا اور آٹھواں شعری مجموعہ (غبار ایام) ہے اور نواں اور آخری شعری مجموعہ کامل یعنی جو سابقہ تمام شعری مجموعوں کو یکجا کرکے ترتیب دیا گیا تھا اس کو (نسخہ ہائے وفا) کے نام سے شائع کیا گیا۔

محمد مہدی جواہریؔ

محمد مہدی جواہریؔ انیسوں صدی عیسوی کے مشہور عراقی شاعر ہیں۔ آپ صحیح روایت کے مطابق ۱۸۹۹/ ۲۶ جولائی بروز بدھ عراق کے مذہبی شہر نجف اشرف میں پیدا ہوئے۔[18] جواہریؔ کا تعلق ایک علمی اور مذہبی گھرانے سے تھا آپ کے ایک جید والد عالم دین تھے اور آپ کے بھائی عبد العزیز شاعر ہونے کے ساتھ ایک مشہور عالم دین بھی تھے اور اسی طرح آپ کے بچپن کے ساتھی اور دوست علی شرقی (جو آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے) ایک مشہور شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک قابل قدر عالم دین بھی تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ جواہریؔ کے دادا شیخ محمد حسن اپنے زمانے کے جلیل القدر فقہاء میں سے ایک تھے اور آپ کو یہ شرف حاصل تھا کہ آپ اپنے زمانے میں عالم تشیع کے مرجع دینی بھی تھے۔ شیخ محمد حسن نے علم فقہ میں کئی کتابیں تحریر فرمائیں لیکن (جواہر الکلام فی شرح شرائع الاسلام) آپ کی وہ شاندار کتاب ہے جو آپ شہرت کا سبب بنی اور اسی نسبت سے آپ کو جواہریؔ کے لقب سے یاد کیا جانے لگا اور آپ کا خاندان آل جواہری کے نام سے مشہور ہو گیا۔

اسی وجہ سے محمد مہدی بھی جواہریؔ کے لقب سے ملقب ہوئے۔ مہدی جواہریؔ کے والد کی شدید خواہش تھی کہ مہدی جواہریؔ بھی عالم دین بنیں[19] اور اسی غرض سے جواہریؔ کے والد نے جواہریؔ کو سکول کے بجائے دینی مدرسے میں داخل کرا دیا اور جواہریؔ نے عباء، قباء اور عمامہ پہننا شروع کر دیا اور حوزہ علمیہ کی اجتہادی کتاب

کفایہ الاصول تک حوزہ علمیہ میں تعلیم حاصل کی۔ لیکن جواہری شروع سے ہی شعر و شاعری سے شغف رکھتے تھے اور انکا دینی تعلیم کی طرف خاطر خواہ رجحان نہ ہونے کے برابر تھا جس کے سبب جواہری نے اپنے والد کی وفات کے بعد دینی تعلیم کو ترک کر دیا اور شعر و ادب کی دنیا میں باقاعدہ طور سے داخل ہو گئے۔ ۱۹۲۷ میں جب جواہریؔ نے نجف اشرف کو خیر آباد کہا تو تدریس کے میدان میں داخل ہونے کی خواہش ابھری تو مشکل یہ پیش آئی کہ جواہریؔ کے پاس عراقی شہریت نہیں تھی اور وہ ایرانی شہریت کے حامل تھے۔ ایک طویل جدوجہد کے بعد عراقی شہریت حاصل کی اور بغداد کے ایک پرائمری سکول میں تدریس کی خدمات انجام دینا شروع کر دیں۔[20]

جواہریؔ بوجوہ زیادہ عرصے تک تدریس کا عمل جاری نہ رکھ سکے اور اس اسکول کو ترک کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے بعد جواہریؔ نے عراق کے مختلف شہروں کے کئی اسکولوں تدریسی خدمات انجام دیں اور متعدد اسباب کے پیش نظر کبھی اسکول سے نکال دیے جاتے اور کبھی خود ہی استعفاء پیش کر دیتے۔ بہر طور جواہریؔ کو تدریسی عمل زیادہ عرصے تک اپنے دامن میں جگہ نہ دے پایا۔ تدریسی عمل کو چھوڑنے کے بعد جواہریؔ انقلابی شاعری کے حوالے سے شہرت حاصل کرنے لگے۔ لیکن معاشی حالات بہت اچھے نہ ہونے کی وجہ سے ملازمت کی تلاش میں تھے کہ شاہ فیصل اول نے جواہری کو شاہی محل میں تشریفات کے امین کے طور سے نوکری کی پیشکش کی جس کو جواہریؔ نے بخوشی قبول کیا[21] اور کافی عرصے تک شاہی محل میں ملازمت کرتے رہے۔

بعد ازآں، صحافت کے میدان میں عملاً قدر رکھنے کی آرزو نے جواہریؔ کو شاہی محل کی ملازمت سے استعفاء دینے پر مجبور کر دیا لیکن جواہریؔ کے استعفاء کو قبول نہ کیا گیا۔[22] اور جواہریؔ نے عملا خود کو شاہی محل سے دور کر کے صحافت کے میدان کے سپرد کر دیا۔ جواہریؔ سے استعفاء صحافت کے میدان میں عملًا قدم رکھنے کے بعد دیا کیونکہ ۱۹۳۰ام میں جب جواہریؔ نے اپنا پہلا اخبار "العراق" شائع کیا تو اس وقت جواہریؔ شاہی محل کے ملازم تھے لیکن صحافت کے میدان میں قدم رکھنے کے بعد جواہریؔ آخری دم تک صحافت سے وابستہ رہے اور صحافت اور شاعری کے ذریعے مظلوم انسانیت کی حمایت میں ایک مجاہد مبارز کی حیثیت علمی جدوجہد کرتے رہے اور یوں جواہریؔ نے کئی اخبارات اور کئی مجلات شائع کیے اور بوجوہ ان اخبارات و مجلات پر وقتاً فوقتاً پابندیاں عائد کی جاتی رہیں۔ اگر جواہریؔ کے ادبی اور علمی میراث کی بات کی جائے تو جواہریؔ نے دو طرح کی میراث چھوڑی ہے۔ ایک نثر میں اور دوسرے شعر میں۔

نثر کے میدان میں جواہریؔ کا کیا ہوا وہ ترجمہ بھی شامل ہے جو فارسی میں لکھی گئی ایک کتاب کو عربی زبان میں منتقل کرنے کی صورت میں وجود میں آیا اور اس کو (جنایۃ الروس والا نکلیز فی ایران) کے نام سے پیش کیا گیا۔ اس کے علاوہ جواہریؔ نے (مذکراتی)[23] کے نام سے اپنی آپ بیتی لکھی۔ اور اس کے علاوہ (مختارت الرای العام) کے نام

سے جواہریؔ کے ان مقالات کا ایک مجموعہ شائع ہوا جو آپ نے مختلف اخبارات اور مجلات میں تحریر کیے تھے۔ جواہری ایک ترقی پسند شاعر تھے اور اشتراکی فکر سے متاثر تھے اور عملاً اشتراکیت کے لئے کام بھی کرتے رہے۔ جواہریؔ کو آج بھی "شاعر العراق الاکبر" یعنی عراق کا شاعر اعظم کہا جاتا ہے۔ جس کی وجہ صرف شاعری ہی نہیں بلکہ مظلوم انسانیت کے لئے وہ دلسوزی بھی تھی جس نے جواہریؔ کو زندگی بھر چین سے نہ بیٹھنے دیا اور اگر جگہ پائی تو عوام کے دلوں میں۔ جواہریؔ کی انقلابی اور انسان دوست خدمات کو ایران کے سپریم لیڈر آیۃ اللہ سید علی خامنہ ای کچھ یوں بیان فرماتے ہیں:

"میں نے معاصر مصری، شامی اور عراقی بڑے شعراء اور لکھاریوں کو پڑھا لیکن اپنے گمشدہ مقصود کو عراقی شاعر محمد مہدی جواہریؔ کے اشعار میں پایا جواہریؔ اپنے عربی انداز بیان میں قدیم اور مستند زبان سے بہرمند ہے چونکہ اس نے اصلی ادبی اور دینی گھرانے قبیلہ جواہریؔ اور نجف کے دینی ماحول میں پرورش پائی ہے اس کی شاعری عوام کے دکھوں اور ان کی امیدوں کو موضوع بحث بنانے میں منفرد حیثیت رکھتی ہے اس طرح جرات مندانہ موقف کو ضبط تحریر میں لانا اور ظالم حکمرانوں کو للکارنا اس کا طرہ امتیاز ہے۔ اسی وجہ سے اسے گرفتاریوں اور جیلوں کا سامنا رہا۔"[24]

جواہریؔ کی شعر کے میدان میں ادبی میراث میں سب سے پہلے (حلبۃ الادب) کے نام سے شعری مجموعہ ۱۳۴۰ھ میں نجف اشرف سے شائع ہوا۔ اس کے بعد (دیوان بین الشعور والعاطفۃ) ۱۹۲۸م میں بغداد سے شائع ہوا۔ جواہریؔ کا پہلا دیوان ۱۹۳۵م میں نجف اشرف سے شائع ہوا۔ (برید الغربۃ) اور (برید العودۃ) بھی جواہریؔ کے شعری مجموعے ہیں اور جواہریؔ کا پہلا مکمل دیوان ۱۹۸۶م میں بیروت سے شائع ہوا۔

مہدی جواہریؔ اور فیض احمد فیضؔ کی مشترکہ جہات

1. انسان دوستی

انسان دوستی جواہریؔ کی شاعری کا وہ خاصا ہے جس کی وجہ سے اسے "شاعر العراق الاکبر" کے لقب سے یاد گیا جاتا ہے۔ جواہریؔ جغرافیائی حدود سے ماوراء شاعر تھا۔ جواہری رنگ و نسل و زبان و وطن سے بالاتر تھا۔ اسی لیے جواہری کے کلام میں دنیا کے کسی بھی خطے سے تعلق رکھنے والے مظلوم انسان کے لئے محبت اور ہمدردی کا عنصر بہت نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اور اسی وجہ سے جواہری نے شرق و غرب میں شہرت حاصل کی۔[25] اور اسی وجہ سے جواہریؔ کو اگست ۱۹۳۸م میں برسلاو میں منعقد ہونی والی انٹرنیشنل کانفرنس میں مدعو کیا گیا۔ اور اس کا

نام (بین الاقوامی دانشوروں کی کانفرنس) تھا۔ عالمی امن کی بین الاقوامی تحریک کے قیام میں اس کانفرنس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس کانفرنس میں دنیا بھر سے پانچ سو سے زائد مندوبین نے شرکت کی۔ لیکن پوری عرب دنیا کی نمائندگی کے لئے صرف جواہریؔ کو ہی منتخب کیا گیا۔ اور اس انتخاب کا سبب جواہری کی جانب سے انسانیت کے لئے کی جانی والی جدوجہد اور خلوص تھا اور اس کے بعد جواہریؔ باقاعدہ طور سے امن عالم کی بین الاقوامی کے رکن بن گئے۔ اور پھر جواہریؔ نے اس تحریک کے لئے انتہائی دل جمی کے ساتھ کام کیا اور انسانیت کی خاطر علمی اور عملی دونوں سطح پر بیش بہا خدمات انجام دیں۔

اس عالمی تنظیم نے ایک مجلّہ "امن اور اشتراکیت" کے نام سے شائع کیا تھا جس میں عربی سمیت کئی یورپی زبانوں میں مضامین چھپا کرتے تھے اور آخری سالوں میں یہ مجلّہ عربی میں "الوقت" کے نام سے شائع ہونا شروع ہوا اور یہ اب بھی لبنان سے اسی نام سے شائع ہو رہا ہے۔[26] جواہریؔ نے دنیا بھر کے مظلوم انسانوں کی حمایت میں شاعری کی ہے جسے اختصار کے پیش نظر یہاں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ فلسطین کے مظلوم انسانوں کی آزادی کے حق جواہریؔ نے کئی بار منظوم کلام سپرد قرطاس کیا۔ اس نے فلسطین پر ایک شاندار نظم "فلسطين الدامية" کے نام سے لکھی جس کے چند اشعار پیش خدمت ہیں:

لو استطعتُ نشرتُ الحزنَ والألما　　　على فِلسطينَ مسودّاً لها علما

سائت نهاريَّ يقظاناً فجائعُها　　　وسئن ليليَ إذ صُوِّرنَ لي حلما

رمتُ السكوتَ حداداً يوم مَصرَعِها　　　فلو تُرِكتُ وشاني ما فتحت فم

أكلما عصفت بالشعب عاصفةٌ　　　هو جاءُ نستصرخُ القرطاسَ والقلما؟

یعنی: "اگر میرے بس میں ہوتا تو میں فلسطین کے لیے سیاہ پرچم لہراتے ہوئے اس کے رنج والم کو ہر سو پھیلا دیتا۔ فلسطین کی مصیبتیں میرے جاگتے دن کو ناگوار بنا دیتی ہیں اور یہ مصیبتیں میری رات کو بھی تکلیف دہ بنا دیتی ہیں کیونکہ یہ مصیبتیں مجھے رات کو ڈراونے خواب دیکھاتی ہیں۔ اگر مجھے میری حالت پہ چھوڑ دیا جائے تو میں منہ نہ کھولوں اور خاموشی کو فلسطین کی جنگ کی علامت سوگ قرار دوں۔ تو کیا جب بھی عوام پر تیز و تند طوفان کا وار ہو تو ہم قرطاس و قلم سے مدد مانگیں؟"

فیض احمد فیضؔ نے بھی اپنی شاعری میں انسانیت کی تکریم پر زور دیا ہے اور انسان دوستی نبھائی ہے۔ اور پوری دنیا کی مظلوم انسانیت کی آواز بن کر ابھرے۔ فیض کے نزدیک کسی بھی شاعر کے بڑے یا چھوٹے ہونے کا معیار اس کی وسعت نظر ہے اور فیض نئے ابھرنے والے شعراء کو بھی وسعت نظر کی تلقین کیا کرتے تھے۔ فیض نے دنیا بھر

کے مظلوم انسانوں کے حق میں شاعری کرتے وقت رنگ و نسل و زبان و اوطان کو بلائے طاق رکھا۔ مشہور تنقید نگار خالد سہیل فیض کے انسان دوست ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

Whenever I read Faizs Poetry I am always impressed by his style as well as his Philosaphy. His Words ,images and metaphors not only capture his peasonal straggle but also Pains and ecstasies of millions around him[27]

ترجمہ: میں جب بھی فیض کی شاعری پڑھتا ہوں تو اس کے انداز اور فلسفہ سے متاثر ہوتا ہوں۔ اس کے الفاظ، تصویریں اور استعارے ہی اس کی شخصی کاوشوں پر دلالت نہیں کرتے بلکہ اپنے گرد موجود لاکھوں لوگوں کے غم اور خوشیوں کا خیال بھی فیض کی شخصی جدوجہد پر دلالت کرتا ہے۔

فیض کے کلام کی ظاہری خوبصورتی کے ساتھ انسان دوستی، ایک انتہائی قابل قدر وصف ہے۔ فیض نے بھی فلسطین کے مظلوم انسانوں کے لئے گراں قدر علمی اور علمی خدمات انجام دیں جن کا احاطہ اس مختصر سے مقالے میں ممکن نہیں ہے۔ ہم صرف فیض احمد فیض کی کتاب سر وادی سینا سے فلسطینی بچے کی محبت میں لکھی گئی ایک نظم " فلسطینی بچے کے لئے لوری" پر اکتفاء کرتے ہیں:

مت رو بچے، رو رو کے ابھی تیری امی کی آنکھ لگی ہے
مت رو بچے، کچھ ہی پہلے، تیرے ابا نے، اپنے غم سے رخصت لی ہے
مت رو بچے، تیرا بھائی، اپنے خواب کی تتلی کے پیچھے، دور کہیں پردیس گیا ہے
مت رو بچے، تیری باجی کا، ڈولا پرائے دیس گیا ہے
مت رو بچے، تیرے آنگن میں، مردہ سورج نہلا کے گئے ہیں، چندرما دفنا کے گئے ہیں
مت رو بچے، امی، ابا، باجی، بھائی، چاند اور سورج
تو گر روئے گا، اور بھی تجھ کو رلوائیں گے
تو مسکائے گا تو شاید، سارے اک دن بھیس بدل کر، تجھ سے کھیلنے لوٹ آئیں گے۔[28]

فیض نے انقلاب ایران کے موقعہ پر شہید ہونے والے طلباء کے لئے ایک خوبصورت کلام کہا:

یہ کون سخی ہیں   جن کے لہو کی
اشرفیاں چھن چھن، چھن چھن،   دھرتی کے پیہم پیاسے
کشکول میں ڈھلتی جاتی ہیں   کشکول کو بھرتی ہیں
یہ کون جواں ہیں ارض عجم   یہ لکھ لٹ

جن کے جسموں کی — بھرپور جوانی کا کندن
یوں خاک میں ریزہ ریزہ ہے — یوں کوچہ کوچہ بکھرا ہے
اے ارض عجم، اے ارض عجم ! — کیوں نوچ کے ہنس ہنس پھینک دئے
ان آنکھوں نے اپنے نیلم — ان ہونٹوں نے اپنے مرجاں
ان ہاتھوں کی "بے کل چاندی — کس کام آئی کس ہاتھ لگی"
اے پوچھنے والے پردیسی — یہ طفل و جواں
اس نور کے نورس موتی ہیں — اس آگ کی کچی کلیاں ہیں
جس میٹھے نور اور کڑوی آگ — سے ظلم کی اندھی رات میں پھوٹا
صبح بغاوت کا گلشن — اور صبح ہوئی من من، تن تن،
ان جسموں کا چاندی سونا — ان چہروں کے نیلم، مرجاں،
جگ مگ جگ مگ، رخشاں رخشاں — جو دیکھنا چاہے پردیسی
پاس آئے دیکھے جی بھر کر — یہ زیست کی رانی کا جھومر، یہ امن کی دیوی کا کنگن ! [29]

جواہریؔ اور فیضؔ کی شاعری میں انسانیت کے موضوع کو یکساں طور پر بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے دونوں شاعروں نے علمی اور عملی دونوں سطح پر انسانیت کی خاطر گراں قدر خدمات انجام دیں اور یہی وجہ ہے کہ دونوں شاعر زمان و مکان کی محدودیت کے باوجود دنیا بھر میں مقبول و محبوب شاعر تصور کیے جاتے ہیں۔

2. معاشرہ سازی

معاشرہ جواہریؔ کی شاعری کے اہم ترین موضوعات میں سے ایک ہے جواہری نے معاشرے کے اہم ترین مسائل کو ابھارا اور ذمہ دار لوگوں کو ان کی طرف متوجہ ہونے کی دعوت دی اور ان کا حل پیش کیا۔ جواہریؔ کے دور میں معاشرے کے اہم ترین مسائل میں سے ایک دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ہے کہ جو طبقاتی نظام کے وجود میں آنے کا سبب بنی اور جاگیردارانہ نظام، عورت کا معاشرتی استحصال بھی جواہری کے معاشرتی موضوعات کا حصہ رہے ہیں جواہری نے ان موضوعات پہ بے باک قلم اُٹھایا اور معاشرے کے مظلوم طبقوں کے لئے پر زور آواز اُٹھائی اور مظلوم طبقے کو شعور کی دعوت دی اور جواہری کی یہ شاعری ظالم کے سامنے ایک سیسہ پلائی دیوار ثابت ہوئی۔ جواہریؔ نے کمال کی صراحت گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا:

ألا قُوّةٌ تَسطيعُ دَفعَ المظالِمِ — وإنعاشَ مخلوقٍ على الذُّلِّ نائمِ ؟

أَلَا أَعْيُنٌ تُلْقِي على الشعبِ هاوِيًا　　إلى حَمْأَةِ الإدقاعِ نظرةَ راحمِ؟
وهل ما يُرَجِّي المصلِحون يَرَوْنَهُ　　مواجَهةً أم تلك أضغاثُ حالِمِ؟
إذا رُمْتُ أوصافًا تَليقُ بحالةٍ　　تَعَرَّفْتُها ضاقتْ بُطُونُ المَعَاجِمِ
هِيَ الأَرْضُ لم يُخْصُصْ لها اللهُ مالكًا　　يُصَرِّفُها مُستهتِرًا في الجرائِمِ
ولم يَبْغِ منها أن يكونَ نِتاجُها　　شقاوةَ مظلومٍ ونِعمةَ ظالِمِ![30]

ترجمہ: " کیا کوئی ایسی طاقت نہیں جو ظلم و ستم کو ختم کر سکتی ہو اور ذلت کی نیند میں سوئی ہوئی مخلوق کو جگا دے۔ کیا ایسی آنکھیں نہیں جو رسوا کن غربت کے کیچڑ کی دل دادہ عوام پر نظر کرم کریں۔ کیا اصلاح کرنے والے لوگ عوام کو جس چیز کی امید دلاتے ہیں وہ عوام اس چیز کو براہ راست دیکھتے ہیں یا یہ ناقابل تعبیر الجھے ہوئے خواب ہیں جاگیر داری کا ہاتھ اتنا بڑھ گیا ہے کہ حاکم کا ہاتھ بھی جاگیر داری کے ہاتھ کی مضبوطی کو جڑ سے اکھاڑنے سے عاجز ہے یہاں تک کہ چند بے اثر گروہ کی بڑی تعداد عوام پر ظلم ڈھا رہے ہیں اور عوام کو جانوروں کی طرح گھسیٹ رہے ہیں جب میں ان کے اوصاف کو بیان کرنے کا ارادہ کرتا ہوں کہ جو اس حالت کے لائق ہیں کہ جس کو میں جانتا ہوں تو معاجم کے پیٹ کم پڑ جاتے ہیں یعنی الفاظ نہیں ملتے ہیں کیا ہمیں اس بات پر نہیں شرمانا چاہیے کہ عوام کے دیس کو اس جاگیر دار ٹولوں نے ہر طرف سے حتمی رسوائی میں مبتلا کر رکھا ہے اللہ نے اس زمین کا کوئی ایک ایسا مالک مختص نہیں کیا ہوا جو بے ہودہ جرائم کرتے ہوئے اس زمین میں تصرف کرے۔ اللہ نہیں چاہتا کہ اس زمین کی فصل مظلوم کی شقاوت اور ظالم کی نعمت کو۔"

مہدی جواہریؔ جاگیر دارنہ نظام کے خلاف یوں گویا ہوتا ہے۔

وباتَتْ بطونٌ ساغِباتٌ على طَوىً　　وأُتْخِمَت الأخرى بِطيبِ المطاعم
أهذي رعايا أُمَّةٍ قد تَهَيَّأَتْ　　لِتَسْقَبِلَ الدُّنيا بعزمِ المُهاجم!؟
أهذا سوادٌ يُبتغى لِمُلِمَّةٍ　　ونحتاجُهُ في المأزِق المتلاحِم؟[31]

یعنی: "ہم اس کی قربانیوں میں اخلاص کو تلاش کر رہے ہیں جبکہ ہم نے اسے ظالم کے ظلم کا شکار ہونے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اور اس منزل کی طرف تیز دوڑنا چاہ رہے ہیں جس منزل کی توقع ہم ایسے شخص کر رہے ہیں پابند سلاسل ہونے کی وجہ سے سست رفتار ہے۔ ہمیں عوام کی سخت ضرورت ہے کہ ہم جسے روز جنگ حاصل نہیں کر پائیں گے۔"

جواہری نے محنت کش طبقے کے بارے میں کہا:

حيِّيتُ "أيَّارَ" بعطر شذاتي، وخَصَصْتُه بالمحض من نَفَحاتي

وسقيتهُ نبعَ القصيدِ مضرَّجاً، كدماءِ أحرارٍ به عَطِرات

وشددتُ أوتاري وقلتُ أظنها ستَشُدُّ أيَّارَ على نغماتي

حيِّيتُ شهرَ أفكرهُ من فكرتي فيما يخط، وذاتُه من ذاتي[32]

یعنی: "میں (ماہ مئی) کو خوشبو سے معطر سلام پیش کرتا ہوں اور میں اس مہینے کو صرف اپنی خوشبوؤں سے مختص کرتا ہوں۔ میں اس مہینے کو آزاد منش لوگوں کے معطر لہو کی مانند خوبصورت قصیدے کے چشمے سے سیراب کرتا ہوں۔ میں اپنی تانتیں کھینچ کر کہا کہ مجھے گمان ہے کہ ان تانتوں نے ماہ مئی کو میرے نغموں پر کھینچ رکھا ہے۔"

جواہری نے عراقی عورت کی معاشرتی زبوں حالی کو یوں بیان کیا:

علّموها فقد كفاكُمْ شَنارا	وكفاها أنْ تحسَبَ العلمَ عارا
وكفانا من التّقهقُرِ أنّا	لم نعالج حتى الأمورَ الصغارا
هذه حالُنا على حينَ كادتْ	أممُ الغربِ تسبِقُ الأقدارا
أنجب الشرقُ جامداً يحسبُ المرأةَ	عاراً وأنجبت طيارا
تحكم البرلمانَ من أمم الدنيا	نساءٌ تمثّلُ الأقطارا
ونساء العراقِ تُمنعُ أن ترسمَ خطّاً	أوْ تقرأَ الأسفارا
علِّموها وأوسِعوها من التّهذيب	ما يجعلُ النّفوسَ كبارا
ولكي تُحسنوا سياسةَ شعبٍ	برهنوا أنّكم تسوسون دارا
أنَّكُمْ باحتقارِكُمْ للنساء اليومَ	أوسعتُمُ الرّجالَ احتقارا
أفَمِنْ أجلِ أنْ تعيشوا تُريدونَ	لثلثَيْ أهلِ البلادِ الدّمارا[33]

ترجمہ: "عورت کو تعلیم دو اور تمہاری رسوائی اور عورت کے عیب کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ علم کو عار سمجھے ہماری شکست کے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم چھوٹے چھوٹے معاملات بھی نہیں سلجھا سکتے۔ ہماری یہ حالت ہے جبکہ مغربی قومیں اقدار میں سبقت لے گئی ہیں۔ مشرق نے ایسے بے حس انسان کو جنم دیا ہے جو عورت کو رسوائی سمجھتے ہیں حالانکہ عورت نے خلا بازوں کو بھی جنم دیا ہے دنیا کی قوموں میں ایسی عورتیں ہیں جو پارلیمنٹ پر

حکومت کرتی ہیں اور ملکوں کی نمائندگی کرتی ہیں اور عراق کی عورت کو لکھنے اور پڑھنے سے منع کیا جارہا ہے عورتوں کو تعلیم دواور اس کو اس تہذیب کے قابل بناؤ جو انسانوں کو بڑا بنادیتی ہے اور تاکہ تم عوام کی سیاست کو اچھا بنا سکو اس بات کی دلیل دو کہ تم گھر کے امور کو چلا سکتے ہو تم آج عورت کو حقیر جان کر مردوں کو حقارت پر قادر بنادیا ہے۔ کیا تم اپنی زندگی گزارنے کی خاطر ملک کے تیسرے حصے کو تباہ کردینا چاہتے ہو۔"

معاشرہ اور فیض احمد فیضؔ

فیض احمد فیضؔ ایک انتہائی دل سوز شاعر تھے معاشرے میں پستے ہوئے طبقوں کو فیض نے بطور خاص، اپنی شاعری کا موضوع بنایا اور معاشرے میں موجود ناہمواریوں کو آشکار کیا اور شاعری کی تلوار کے ذریعے طاغوت کو للکارا اور ہر محروم طبقے کی آواز بن کر سامنے آئے۔ فیض نے معاشرے کے مظلوم ترین طبقہ یعنی مزدوروں کی زبوں حالی کو اپنی ایک نظم "کتے" میں انتہائی دلچسپ انداز میں پیش کرکے مزدوروں کو اپنے حقوق کے حصول کی خاطر ظالموں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کی دعوت دی۔ ملاحظہ ہو:

یہ گلیوں کے آوارہ بیکار کتے کہ بخشا گیا جن کو ذوقِ گدائی
زمانے کی پھٹکار سرمایہ ان کا جہاں بھر کی دھتکار ان کی کمائی
نہ آرام شب کو نہ راحت سویرے غلاظت میں گھر نالیوں میں بسیرے
جو بگڑیں تو اک دوسرے کو لڑادو ذرا ایک روٹی کا ٹکڑا دکھادو
یہ ہر ایک کی ٹھوکریں کھانے والے یہ فاقوں سے اکتا کے مرجانے والے
مظلوم مخلوق گر سر اٹھائے تو انسان سب سرکشی بھول جائے
یہ چاہیں تو دنیا کو اپنا بنالیں یہ آقاؤں کی ہڈیاں تک چبالیں
کوئی ان کو احساس ذلت دلادے کوئی ان کی سوئی ہوئی دم ہلادے [34]

اسی طریقے سے (رقیب سے) میں بھی مزدوروں کے لئے یوں گویا ہوئے:

جب کبھی بکتا ہے بازار میں مزدور کا گوشت شاہراہوں پہ غریبوں کا لہو بہتا ہے
آگ سی سینے میں رہ رہ کے ابلتی ہے نہ پوچھ اپنے دل پر مجھے قابو ہی نہیں رہتا ہے [35]

فیض رومانس اور انسانیت کے شاعر تھے لیکن ایک مرحلے پر فیض رومانس سے اکتائے ہوئے دیکھائی دیتے ہیں اور دیگر معاشرتی اور انسانی مسائل کو زیر غور لانا چاہتے ہیں اور یوں لکھتے ہیں:

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا [36]

جواہریؔ اور فیضؔ کی شاعری میں معاشرہ ایک اہم موضوع بن کر سامنے آتا ہے اور جواہری معاشرے کے مختلف طبقوں کے حوالے سے بات کرتے ہوئے انتہائی واضح الفاظ میں اپنے موقف کو پیش کرتے ہیں موضوع مزدوروں کے حق کی بات ہو یا جاگیرداروں کے خلاف یا عورت کے حق میں آواز۔ لیکن فیض جب معاشرے کے محروم و مظلوم طبقوں پر بات کرتے ہیں تو نسبتاً کم صراحت گوئی سے کام لیتے ہیں اور اشاروں کناوں میں بات زیادہ کرتے ہیں۔ بہر طور جواہری اور فیض دونوں انقلابی شاعر ہونے کی حیثیت سے لوگوں کو جگانے کی کوشش میں لگے رہے اور بہت حد تک معاشرے کے سوئے ہوئے محروم طبقوں کو بیداری کی ثروت سے آشنا کر گئے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دونوں شاعر اپنی اس دلسوزی اور انسان دوستی کی بنیاد پر آج بھی یاد کئے جاتے ہیں بلکہ ان کو انتہائی عزت و تکریم کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔

3. مرثیہ نگاری

عربی زبان میں جب لفظ رثاء سے مراد مدح و ستائش ہی ہوتی ہے لیکن مدح اور رثاء میں صرف اتنا فرق ہے کہ مدح، زندہ شخصیات اور موضوعات سے متعلق ہوتی ہے جبکہ رثاء یا مرثیہ کا تعلق فوت شدہ شخصیات سے ہوتا ہے۔اور عربی زبان میں مرثیہ گو شاعر میت کی شخصیت خوبیوں اور اس سے وابستہ اچھی یادوں کے ساتھ ساتھ ان واقعات کو بھی ذکر کرتا ہے جو اس کی موت کا سبب بنتے ہیں اگر مہدی جواہریؔ کی شاعری میں مرثیہ گوئی کے حوالے سے بات کی جائے تو جواہری نے اپنے پیاروں اور چند تاریخی اعتبار سے مثالی سمجھی جانے والی شخصیات کے ساتھ ساتھ خود اپنا مرثیہ بھی کہا اور بلکہ معاشرے کا مرثیہ بھی پڑھا۔ دلچسپ سوال یہ ہے کہ مرثیہ تو مردہ افراد کے بارے میں کہا جاتا ہے تو پھر جواہری نے خود اپنا اور معاشرے کا مرثیہ کیونکر کہا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جواہریؔ نے پہلے خود کو اور معاشرے کو مردہ فرض کیا اور پھر ان کے بارے میں مرثیہ کہا۔ اس لحاظ جواہری کی مرثیہ گوئی ایک امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔

جواہریؔ کی مرثیہ گوئی میں سیاسی رنگ اور معاشرتی زبوں حالی پر تنقید نمایاں طور سے ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ بہر طور جواہریؔ کی مرثیہ گوئی کو دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ایک شخصیات کی مرثیہ گوئی اور دوسرے خود اپنی اور معاشرے کی مرثیہ گوئی۔ جواہریؔ کی مرثیہ گوئی کی نمایاں خصوصیت جذباتیت اور ولولہ انگیزی کا پہلو ہے جو درحقیقت سچے احساس اور داخلی اضطراب کی آئینہ دور ہے۔ لیکن وہ پر امید نظر آتا ہے اور اپنے قاری کو یہ حوصلہ دینے کی کوشش کرتا ہے کہ حالات کو ثبات نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ تغیر پذیر ہوتے ہیں اور آج نہیں تو کل ان کو بدل جانا ہے اور یوں وہ معاشرے کو مایوسی کی دلدل سے نکال کر امید کے گلستان کی طرف لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔

وہ چند اہم شخصیات جن کے بارے میں جواہریؔ نے مرثیہ کہا

ا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام

مہدی جواہریؔ کی شاعری کے شاہکار نمونوں میں سے ایک امام حسین علیہ السلام کا مرثیہ بھی ہے اور اس مرثیہ کو جواہریؔ کا شعری معجزہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ ایک انتہائی خوبصورت حماسی اور جاویدان مرثیہ ہے کہ جو لفظ "عین" کے قافیہ پر ختم ہوتا ہے اور اس اس کو "قصیدہ عینیۃ" کہا جاتا ہے اس مرثیہ کی خوبصورتی اور کمال کے پیش نظر اس کے ۱۵ پندرہ اشعار کو حرم امام حسین علیہ السلام کے مرکزی دروازے پر (کہ جو رواق حسینی علیہ السلام کی طرف) آویزاں کیا گیا ہے جو ہر اہل ذوق سے داد تحسین بھی وصول کرتا ہے اور اہل مودت کے سینوں امام حسین علیہ السلام کی محبت کی آگ اور بھی بھڑکاتا ہے۔

اور جواہریؔ نے اس مرثیہ میں بعض سیاسی معاملات کو زیر بحث لاتے ہوئے امت عرب اور بطور خاص عراق اور شام کے خلاف ہونے والی سازشوں کی طرف اشارہ بھی کیا۔[37]

اس مرثیے کے چند اشعار پیش خدمت ہیں:

فِدَاءٌ لمثواكَ من مَضجَعِ　　　تَنَوَّرَ بالأبلَجِ الأروَعِ

بأعبقَ من نفحاتِ الجِنانِ　　　رَوحاً ومن مِسكِها أضوَعِ

ورَعياً ليومِكَ يومِ "الطُّفوف"　　　وسَقياً لأرضِكَ مِن مَصرَعِ

وحُزناً عليكَ بِحَبسِ النفوس　　　على نَهجِكَ النَّيِّرِ المَهيَعِ

وصَوناً لمجدِكَ مِنْ أَنْ يُذَال　　　بما أنتَ تأباهُ مِنْ مُبدَعِ

یعنی: "آپ کی آخری آرام گاہ کے قربان جاوں جو روشنی اور خوبصورتی سے منور ہے اور جو روحانی اعتبار سے جنت کی خوشبو کے جھونکوں سے زیادہ خوشبودار ہے اور جن کی مشک کی خوشبو جنت کی مشک کی خوشبو سے زیادہ ہے۔ طفوف کے روز آپ کے دن کا پاس رکھتا ہوں۔ آپ کے مقتل کی زمین کی آبیاری کرتا ہوں۔ آپ کے روشن اور کھلے راستے پر چلتے ہوئے قید ہونے والے نفوس کی وجہ سے میں آپ پر غمگین ہوں۔ آپ نے اپنی عظمت کو حقارت سے بچانے کی خاطر بدعت گزار سے بغاوت کی۔"

عظیم عرب شاعر حافظ ابراہیم کا مرثیہ

جواہریؔ نے عظیم معاصر عرب شاعر حافظ ابراہیم کے لئے ایک شاندار مرثیہ کہا اور اسی مرثیہ میں خود اپنے اوپر بھی مرثیہ گوئی کی اور ان تمام لوگوں کا مرثیہ بھی کہا جو حتما موت کا شکار ہوں گے۔

جواہریؔ کہتا ہے:

نَعوا إلى الشِعرِ حُراً كان يرعاهُ ومَنْ يَشُقُّ على الأحرارِ مَنعاهُ

أخنى الزّمانُ على نادٍ "زها" زَمناً بحافِظٍ واكتسى بالحُزنِ مغناه

واستُدرِجَ الكوكبُ الوضاءُ عن أُفُقٍ عالي السَّنا يُحسِرُ الأبصارَ مَرقاه

أعْززْ بأنّا افتقدناهُ فأعوزنا وجهٌ طليقٌ وطبعٌ خفَّ مجراه

وأنَّ ذاكَ الخفيفَ الروحِ يُوحشُه بيتٌ ثقيلٌ على الأحياءِ مَثواه[38]

یعنی: " جب آزاد شاعری وجود میں آئی تو شعراء نے اس شاعری کی موت کی خبر سنادی جو شاعری ان کی محافظ تھی اور موت کی یہ آزاد منشا شعراء کے لیے باعث مشقت ہے اور حافظ کے زمانے میں اس وقت نے شعراء کی بڑی جماعت کی محفل کو برباد کرکے رکھ دیا ہے اور ان کی محفل کے گیت کو غم کا لباس پہنا دیا ہے۔ وہ روشن ستارہ جس کی بلندی آنکھوں کو تھکا دیتی ہے اسے رفتہ رفتہ بلند روشن افق سے ہٹایا جارہا ہے۔ اور آج ہمیں شاعری کو چھوڑ دینے کا غم ہے۔ اور ہمیں روشن رخ شاعری کی کمی محسوس ہو رہی ہے اور اس فطرت کی کمی محسوس ہو رہی ہے جس کی روانی میں خفت ہے۔ اور اس خفیف شاعری کو اس شاعری نے وحشت زدہ کر دیا ہے جس کی قبر زندہ لوگوں پر بھاری ہے۔"

امیر الشعراء احمد شوقی کا مرثیہ

احمد شوقی معاصر عربی ادب کے انتہائی عظیم شاعر تھے جواہری نے ان کے تعزیتی ریفرنس کیمحفل میں ایک شاندار مرثیہ پڑھا جس کی وجہ سے سامعین گریہ کے سمندر میں ڈوب گئے اور یہ مرثیہ صرف احمد شوقی کے بارے میں ہی نہیں تھا بلکہ یہ مفکرین اور عظیم انسانوں کو بھی شامل تھا۔ اس مرثیے میں جواہریؔ یوں گویاں ہوتا ہے:

طوى الموتُ ربَّ القوافي الغُرَرْ وأصبحَ "شوقي" رهينَ الحُفَرْ

وأُلقِيَ ذاكَ التُّراثُ العظيمُ لِثقلِ التّراب وضغطِ الحَجر

وجئنا نُعزّي به الحاضرين كأنْ لم يكنْ أمسِ فيمن حضر[39]

یعنی: " موت نے روشن قافیوں کے رب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور " شوقیؔ" کو گڑھوں کے حوالے ہو گیا ہے۔ اور عظیم میراث کو مٹی کی سختی اور پتھروں کے دباؤ کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اور ہم آج حاضرین کو " شوقی" کی تعزیت پیش کرنے یوں چلے آئے ہیں جیسے وہ کل حاضرین میں تھا ہی نہیں۔

شہید عدنان مالکی کا مرثیہ

۱۹۵۶ میں جواہریؔ کو شہید عدنان مالکی کے تعزیتی ریفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی تو جواہریؔ نے اس دعوت کو قبول کیا اور اس محفل میں شریک ہوئے اور شہید عدنان مالکی کے لئے ایک شاہکار مرثیہ پڑھا۔ جواہریؔ نے اس مرثیہ میں بعض سیاسی معاملات کو زیر بحث لاتے ہوئے امت عرب اور بطور خاص عراق اور شام کے خلاف ہونے والی سازشوں کی طرف اشارہ کیا۔[40] اور یہ مرثیہ شہرت کے عروج کو پہنچا اور یہاں تک کہ جب بھی کسی محفل میں جواہری کا تذکرہ ہوتا تو اس کے ساتھ اس مرثیہ کو ضرور یاد کیا جاتا۔ اس مرثیہ کے چند اشعار پیش خدمت ہیں:

خلفت غاشية الخنوع ورائـــــــــي　　واتيت أقبس جمرة الشهـــداء

ودرجت في درب على عنت السرى　　القِ بنورخطاهم وضـــــــاء

خلفتها واتيت يعتصر الأســــــــى　　قلبي وينتصب الكفاح ازائـــي

وحمدت نفسا حرة لم تنتقـــــــص　　شهد الوفاء بعلقم الإغــــراء[41]

یعنی: "میں نے عاجزی کے پردے کو پس پشت ڈال دیا اور آ کر شہدا کے انگارے کو بھڑکا دیا۔ میں ایسے راستے پر چل پڑا ہوں جو تھکا دینے والے سفر کی مشقت کی طرف نکلتا ہے ایسا راستہ جو چمکدار ہے اور شہداء کے قدموں سے روشن ہے۔ میں عاجزی کے پردے کو چھوڑ آیا ہوں اور غم نے میرے دل کو نچوڑ دیا ہے اور میرے سامنے جنگ ہو رہی ہے۔ میں ایسے آزاد نفس کی تعریف کرتا ہوں جس نے کڑواہٹ کی ترغیب کی وفا کے گواہوں کو کم نہیں کیا۔"

فیض احمد فیضؔ کی مرثیہ گوئی

مرثیہ اردو شاعری اصناف میں سے ایک پرانی صنف ہے بلکہ مرثیہ گوئی یعنی مردہ افراد کی ستائش کے کچھ زوایے اردو نثریں بھی ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ بہر طور اردو زبان میں مرثیہ گوئی پر مشتمل سب سے پہلی کتاب "نوسرہاد" کو قرار دیا جاتا ہے۔ عظیم شاعر شیخ شفیع کی امام حسین علیہ السلام کے مرثیوں پر مشتمل یہ کتاب ۱۵۰۵م میں لکھی اور سب سے پہلا صاحب دیوان شاعر کہ جس نے اپنے دیوان میں امام حسین علیہ السلام کے مرثیوں کو درج کیا سلطان محمد قلی قطب شاہ تھے ان کے دیوان میں پانچ مرثیے موجود ہیں جن میں سے تین مکمل اور دو نا تمام ہیں۔

اور ان کے مرثیوں کو سولہویں صدی عیسوی کے یادگار مرثیے قرار دیا جاتا ہے۔ اردو ادب کے باوا آدم ولی دکنی کے کلام میں بھی مرثیے موجود ہیں اور اردو ادب کے چار بڑے شعراء کے کلام بھی مرثیے موجود ہیں۔ خدائے سخن میر تقی میرؔ کے کلام میں (۳۴) مرثیے اور پانچ مطبوعہ سلام موجود ہیں جبکہ میر انیس نے ۲۱۳ مرثیے لکھے اور

ڈاکٹر علامہ اقبالؔ نے ایک مکمل نظم با عنوان واقعہ کربلا لکھی جو در حقیقت مرثیہ ہی ہے۔ اردو ادب کا شاید ہی کوئی عظیم شاعر ہو جس نے مرثیہ گوئی نہیں کی ہے۔ بیسویں صدی کے عظیم شاعر جوش ملیح آبادی نے ۹ مرثیے لکھے اور کئی سلام، قطعات اور رباعیات سپرد قرطاس کیں۔ اسی طرح فیض احمد فیضؔ نے بارہ بند یعنی بہتر مصرعوں پر مشتمل ایک شاندار مرثیہ امامؑ ۱۹۶۴ میں لکھا۔ جو ۱۹۷۸ میں شام شہر یاراں میں شائع ہوا اور فیض نے یہ مرثیہ علامہ رشید ترابی کی فرمائش پر لکھا تھا۔[42]

اگرچہ عربی ادب میں مرثیہ کا مفہوم بہت وسیع ہے لیکن اردو زبان میں عام طور سے مرثیہ سے مراد مرثیہ امام حسین علیہ السلام ہی لیا جاتا ہے۔ لیکن اگر مرثیے کے مفہوم عام کو مد نظر رکھا جائے تو فیض احمد فیضؔ امام حسین علیہ السلام کے علاوہ بھی کئی شخصیات کے بارے میں مرثیے لکھے۔

فیض کا مرثیہ امام حسین علیہ السلام

رات آئی ہے شبّیر پہ یلغارِ بلا ہے　　ساتھی نہ کوئی یار نہ غمخوار رہا ہے
مونِس ہے تو اِک درد کی گھنگھور گھٹا ہے　　مُشفِق ہے تو اِک دِل کے دھڑکنے کی صدا ہے
تنہائی کی، غُربت کی، پریشانی کی شب ہے!　　یہ خانۂ شبّیر کی وِیرانی کی شب ہے
دُشمن کی سپہ خواب میں مدہوش پڑی تھی　　پَل بھر کو کسی کی نہ اِدھر آنکھ لگی تھی
ہر ایک گھڑی آج قیامت کی گھڑی تھی　　یہ رات بہت آلِ مُحمّد پہ کڑی تھی
رہ رہ کے بُکا اہلِ حَرَم کرتے تھے ایسے　　تھم تھم کے دِیا آخرِ شب جلتا ہے جیسے
اِک گوشے میں اِن سوختہ سامانوں کے سالار[43]

فیض احمد فیضؔ نے سپاہی کا مرثیہ بھی لکھا

اٹھو اب ماٹی سے اٹھو　　جاگو میرے لال
اب جاگو میرے لال　　تمری سیج سجاون کارن
دیکھو آئی رین اندھیارن　　نیلے شال دوشالے لے کر
جن میں ان دکھین اکھین نے　　ڈھیر کیے ہیں اتنے موتی
اتنے موتی جن کی جیوتی　　دان سے تمرا
جگ جگ لاگا　　نام چمکنے
اٹھو اب ماٹی سے اٹھو　　جاگو میرے لال

اب جاگو میرے لال　　گھر گھر بکھرا بھور کا کندن
گھور اندھیرا اپنا آنگن　　جانے کب سے راہ تکے ہیں
بالی دلہنیا، بانکے ویرن　　سونا تمرا راج پڑا ہے
دیکھو کتنا کاج پڑا ہے　　بیری براجے راج سنگھاسن
تم ماٹی میں لال　　اٹھو اب ماٹی سے اٹھو، جاگو میرے لال
ہٹ نہ کرو ماٹی سے اٹھو، جاگو میرے لال　　اب جاگو میرے لال [44]

فیض نے اپنے شعری مجموعہ سر وادی سینا میں ایک اور شاندار مرثیہ کہا۔

دور جا کر قریب ہو جتنے　　ہم سے کب تم قریب تھے اتنے
اب نہ آؤ گے تم نہ جاؤ گے　　وصل ہجراں بہم ہوئے کتنے [45]

فیض کا ایک اور مرثیہ پیش خدمت ہے:

چاند نکلے کسی جانب تری زیبائی کا　　رنگ بدلے کسی صورت شب تنہائی کا
دولت لب سے پھر اے خسرو شیریں دہناں　　آج ارزاں ہو کوئی حرف شناسائی کا
گرمئی رشک سے ہر انجمن گل بدناں　　تذکرہ چھیڑے تری پیرہن آرائی کا
صحن گلشن میں کبھی اے شہ شمشاد قداں　　پھر نظر آئے سلیقہ تری رعنائی کا [46]

اکتوبر 1968 میں فیض نے ایک اور شاندار مرثیہ لکھا۔

کب تک دل کی خیر منائیں کب تک رہ دکھلاؤ گے　　کب تک چین کی مہلت دو گے کب تک یاد نہ آؤ گے
بیتا دید امید کا موسم خاک اڑتی ہے آنکھوں میں　　کب بھیجو گے درد کا بادل کب برکھا برساؤ گے
عہد وفا یا ترک محبت جو چاہو سو آپ کرو　　اپنے بس کی بات ہی کیا ہے ہم سے کیا منواؤ گے
کس نے وصل کا سورج دیکھا کس پر ہجر کی رات ڈھلی　　گیسوؤں والے کون تھے کیا تھے ان کو کیا جتلاؤ گے۔ [47]

اگر مہدی جواہری اور فیض احمد فیض کی مرثیہ گوئی کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جواہری اور فیض احمد فیض دونوں نے امام حسین علیہ السلام کی شان میں مرثیے کہے اور اس کے علاوہ کئی دیگر ملکی اور عالمی سطح پر قابل قدر شخصیات کو بھی اپنے مرثیوں کا موضوع قرار دیا۔ دونوں شاعروں نے مرثیہ گوئی کو انتہائی شاندار انداز سے

بنایا اور اسی وجہ سے مرثیہ گوئی میں ان دونوں شعراء کو امتیازی حیثیت بھی حاصل ہے لیکن جواہریؔ کی مرثیہ گوئی کی وسعت فیض احمد فیضؔ مرثیہ گوئی کی نسبت زیادہ ہے اور یہ وسعت دو اعتبار سے ہے ایک یہ کہ جواہریؔ کی مرثیہ گوئی صرف امام حسین علیہ السلام اور دیگر شخصیات تک محدود نہیں تھی بلکہ اس نے اپنا مرثیہ بھی کہا یعنی خود کو مردہ تصور کرنے کے بعد اپنے اوپر مرثیہ لکھا۔ لیکن فیض احمد فیضؔ کی مرثیہ گوئی میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی ہے۔ جواہریؔ اور فیضؔ کے مرثیہ امام حسین علیہ السلام کے مابین ایک اور جہت سے بھی فرق پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ جواہریؔ نے مرثیہ امام حسین علیہ السلام میں شب عاشورا اور روز عاشورا کے واقعات کو مد نظر رکھ کر لکھا ہے اور ان احوال کو انتہائی خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔

نتیجۂ بحث

مہدی جواہریؔ اور فیض احمد فیضؔ انیسویں صدی کے دو عظیم شاعر تھے معاصر ادب میں دونوں شخصیات نے نہایت قابل قدر شعری اور نثری میراث چھوڑی ہے اس مقالے میں دونوں شعراء کی شاعری کی مشترکہ جہات میں سے صرف تین جہات کو مورد بحث قرار دیا گیا ہے اور مقدمہ کے طور پر دونوں شعراء کے مختصر حالات زندگی کو بیان کیا گیا ہے اگر جواہری اور فیض کی شاعری کی تین مشترکہ جہات مرثیہ، معاشرہ اور انسانیت کی بات کی جائے تو ہر جہت میں دونوں شعراء کے درمیان اتحاد وافتراق ملاحظہ کیا جا سکتا ہے مثلاًدونوں شعراء نے امام حسین علیہ السلام اور دیگر چند قابل قدر شخصیات کے بارے میں مرثیہ گوئی کی۔لیکن جواہری نے اپنا مرثیہ بھی کہا اور اگر معاشرہ کے موضوع پر بات کی جائے تو دونوں شعراء نے معاشرے کے مختلف پہلوؤں کو صراحت کے ساتھ بیان کیا لیکن فیض احمد فیض ان موضوعات پر بات کرتے ہوئے صراحت کے بجائے اشارے اور کنائے کا سہارا لیتا ہے اور جب دونوں شعراء کی انسانیت پر کی گئ شاعری کو ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دونوں شعراء نے لسان، اوطان، الوان اور زمان و مکان سے بالاتر ہو کر مظلوم انسانیت کے حق میں آواز اٹھائی اور اسی وجہ سے جب بھی کوئی با شعور انسان ان شعراء کی انسانیت دوست شاعری کو ملاحظہ کرتا ہے تو بے ساختہ ان دونوں شعراء کی کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

*****

References

1. Sehba Lakhnawi, *Faiz key Mustanad Halāt* (Karach: Afkar Faiz Number,Danial library, 1973) ,113.

صہبا لکھنوی، فیض مستند حالات (کراتشی: مشمولہ اِفکار رقم فیض مکتبۃ دانیال، 1973)،113۔

2.Ishfaq Hussain, *Faiz Ahmad Faiz Shaksiat or fun* (Islamabad: Academy Adabiat Pakistan, 2008) ,17.

اشفاق حسین، فیض احمد فیض شخصیت اور فن (اسلام آباد: اِکادمی اِدبیات پاکستان، 2008)،17۔

3. Dr. Taqi Al-abedi, *Faiz Shanasi*, (Lahore: Sangh e meel Publication, 2014),16.

الدکتور تقی، العابدی، فیض شناسی (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2014)،16۔

4.Ishfaq Hussain, *Faiz Ahmad Faiz: Shaksiat aur Fun*, 21.

اشفاق حسین، فیض احمد فیض شخصیت اور فن، 21۔

5.Shair Mohammad Hameed, *Faiz sey meri Rafāqt ki Chand Yadyn* (Karachi: Maktaba Usloob, 1998) ,47.

شیر محمد حمید، فیض سے مری رفاقت کی چند یادیں (کراتشی: مکتبہ اسلوب، 1998)،47۔

6.Mirza Zafar-ul-Hasan, *Khūn-e Dil ki Kashīd* (Karachi: Makataba Usloob, 1983) ,15.

مرزا ظفر الحسن، خون دل کی کشید (کراتشی: مکتبہ اِسلوب، 1983)،15۔

7.Shima Majeed, *Ahd-e Tifli sey Afafwān-e Shabab tak*, Mirza Zafarul Hassan Mashmula Faiz sy Batyn (Lahore: Al-Hamad Publication, 1990) 21.

شیما، مجید، عہد طفلی سے عنفوان شباب تک، مرزا ظفر الحسن مشمولہ فیض سے باتیں (لاہور: الحمد پبلیکیشنز، 1990)،21۔

8. Dr. Ayoob Mirza, *Hum keh Thehrey Ajnabi*, (Islamabad: Dost Publication, 1994) ,86.

الدکتور ایوب، مرزا، ہم کہ ٹھہرے اجنبی (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 1994)،86۔

9.Dr.Ayoob Mirza, *Faiz namah* (Lahore: classic Publication, 2003) ,72.

الدکتور ایوب، مرزا، فیض نامہ (لاہور: کلاسیک، 2003م)،72۔

10. Faiz Ahmad Faiz, *Pakistan Kahan hey?* Afkar-e Faiz number (Karachi: Makaba Afkar, 1945), 483.

فیض احمد فیض، پاکستان کہاں ہے؟ افکار فیض نمبر (کراچی: مکتبہ افکار 1945م)،683۔

11. Mirza Zafar-ul-Hasan, *Umr-e Ghuzishta ki Kitab* (Haiderabad Indian: Hamaasi Book depo, 1978), 168.

مرزا، ظفر الحسن، عمر گذشتہ کی کتاب (حیدر آباد ہند: حسامی بک ڈپو، 1978)،168۔

12. Faiz Ahmad Faiz, *Salībain merey Darīchey may*, (Karachi: Maktaba Danial, 1971), 10.

فیض اِحمد، فیض، صلیبیں مرے دریچے میں (کراتشی: مکتبہ دانیال، 1971)،10۔

13. Faiz Ahmad Faiz, *Itikhab-e Payam-e Mashriq*, (Lahore: Iqabla Academy, 1977), 7.

فیض اِحمد، فیض، انتخاب پیام مشرق (لاہور: اقبال اکادامی، 1977م)،7۔

14. Faiz Ahmad Faiz, *Naqsh-e Faryadi*, (Lahore: Maktaba Karwan, 1978), 5.

فیض احمد فیض، نقش فریادی (لاہور: مکتبہ کارواں، 1978)،5۔

15. Faiz Ahmad Faiz, *Dast-e- Saba* (Lahore: Maktaba Karwan, 1952), 5.

فیض احمد، فیض، دست صبا (لاہور: مکتبۃ کاروان، 1952م)،5۔

16. Malik Abul Raoof, *Faiz ki Shaeri ka naya door* (Lahore: Publishing House, 1988), 77.

ملک عبد الروف، فیض کی شاعری کا نیا دور (لاہور: پبلیز پبلشنگ ہاوس، 1988م)،77۔

17. Faiz Ahmad Faiz, *Nushkah ha-ye Wafa* (Lahore: Makatba Karwan, 1985), 487.

فیض احمد، فیض، *نسخہ ہائے وفا* (لاہور: مکتبہ کاروان، 1985م)، 487۔

18. Jafar Mahboba, *The past and Present of Al-Najaf*, vol. 2 (Al-Najaf: Al-ilmia publisher, 1955) , 136.

جعفر، محبوبہ، *ماضی النجف وحاضرھا*، ج2 (النجف: المطبعۃ العلمیۃ، 1955ء)، 136۔

19. Almindlawi, Sabah, *Fi Rihāb Al-Jawahari*, (Damascus: Daro Alaowdeen Publications, 2000) ,24.

المندلاوی صباح، *فی رحاب الجواہری*، (دمشق: منشورات دار علاء الدین، 2000م)، 24۔

3. Hadi al-Alavi, *Maqalat mutasalsalah*, Alwadi Magazine, number 14, 21 june, 1960, 33.

ھادی العلوی، مقالات *متسلسلۃ*، *مجلّہ الوادی*، العدد 14، السنہ 21، 1960م *حزیران* 33۔

21.Abd al-Hussain Shaban, *Al-Jawahri Jadl al-Sh'ear wa al-Hayāt*, (Brute: Dar-ul-Alkonoz Al-Adabia, 1997) ,40.

عبدالحسین شبعان، *الجواہری جدل الشعر والحیاۃ* (بیروت: دار الکنوز الأدبیۃ، 1997م)، 40۔

22. Hasan Al-Alavi, Jawahri, *Diwan al-Asar Hassan Al-Alavi* (Damascus: publications of ministry of culture, 1986), 58.

حسن العلوی، الجواہری، *دیوان العصر حسن العلوی* (دمشق: وزارہ الثقافہ، 1986م)، 58۔

23. Mohammad Mahdi, Al-Jawahari, *Muzakkaraati* (Beirut: publication Dar-ul-Muntzar, 1999) ,14.

محمد مہدی، الجواہری، *مذاکراتی* (بیروت: مطبعۃ دار المنتظر، 1999م)، 14۔

24. Mohammad Ali Azarshab, *Muzakkaraato Syed Ali Al-Khamanai Al-Arabia* (Beirut: Dabooq International company of Publication, 2019) ,59.

محمد علی آذرشب، *مذکرات سید علی الخامنئی العربیۃ* (بیروت: شرکۃ دبوق العالمیۃ للطباعۃ، 2019)، 59۔

25. Muhammad Jalil Hassan, *Works of Documents, Literary Studies in Al-Jawahiri* Poetry (Erbil: Ministry of Culture, 2008), 78.

محمد جلیل حسن، *آثار الوثائق*، دراسات *ادبیہ فی شعر الجواہری* (اربیل: وزارۃ الثقافۃ، 2008م)، 78۔

26. Muhammad Jawad, Al-Ghaban, *Al-Jawahiri Persia Halbat Al-Adab*, Dar Al-Madi (Damascus: Culture and Publishing, 2006), 45.

محمد جواد، الغبان، *الجواہری فارس حلبۃ الادب*، دار المدی (دمشق: للثقافۃ والنشر، 2006م)، 45۔

27 .Khalid Sohail, *Faiz a Poet of Peace from Pakistan*, 530.

28.Faiz Ahmad Faiz, *Nushkah ha-ye wafa*, 155.

فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، 155۔

29. Faiz Ahmad Faiz, *Sar-e Wadi-ye Sina*, (Lahore: Maktab Karwan, 1980), 40.

فیض احمد فیض، *سر وادی سینا*، (لاہور: مکتبہ کاروان، 1980)، 40۔

30. Hasan Al-Alawi Jawahri, *Diwan–ul-Asar Hassan Al-Alawi*, vol. 2, 375.

حسن العلوی الجواھری، *دیوان الجواھری*، ج2، 375۔

31.Ibid, 375.

ایضاً، 375۔

32. Nafs al-Masdar, vol. 2, 375.

نفس المصدر، ج2، 375۔

33. Hassan Al-Alawi Jawahri, *Diwan–al-Jawahri*, vol. 1, 275.

حسن العلوی الجواہری، دیوان الجواہری، ج1، 275۔

34. Faiz Ahmad, Faiz, *Naqsh-e Faryadi* (Lahore: Maktab Caravan, 1978), 71.

فیض احمد، فیض، نقش فریادی (لاہور: مکتبہ کارواں، 1978)، 71۔

35. Nafs al-Masdar, 62.

نفس المصدر، 62۔

36.Ibid, 53.

ایضاً، 53۔

37.Muhammad Mahdi, Al-jawahri, *Diwan Al-Jawahri*, vol. 2, (Beirut: Besaan lilnashr wa altowzee, 2000), 133.

محمد مہدی، الجواہری، دیوان الجواہری، ج2 (بیروت: بیسان للنشر والتوازیع، 2000م)، 133۔

38.Hadi Alalwi, *Al-Jawahari fil oyoon min ashaarehi* (Damascus, Dar Talas lil tarjma wl Nashr, 1986), 112.

ہادی، العلوی، الجواہری فی العیون من اشعارہ (دمشق: دار طلاس للترجمۃ والنشر، 1986م)، 112۔

39. Al-jawahri, Diwan Al-Jawahri, vol. 2, 133.

الجواھری، دیوان الجواھری، ج2، 133۔

40. Mustandi Hatim Waheed, *Al-Ramūz al-Turathia fi She'ar Al-Jawahari* (Baghdad, risalatul meister, 2005), 65.

مستندی حاتم وحید، الرموز التراثیہ فی شعر الجواھری (بغداد: جامعہ بغداد، رسالۃ الماجستر، 2005م)، 65۔

41. Hadi Alalwi, *Aljawaheri fil oyoon min ashaarehi*, 376.

ہادی العلوی، الجواھری فی عیون اشعارہ، 376۔

42. Dr.Taqi Abedi, *Faiz Shanasi*, 414.

ڈاکٹر تقی العابدی، فیض شناسی، 414۔

43. Faiz Ahmad Faiz, *Shām-e Shahr-e Yarān* (Lahore, Karwan press, 1978), 34.

فیض احمد فیض، شام شہر یاراں (لاہور: کاروان پریس، 1978)، 34۔

44. Faiz Ahmad Faiz, *Nushkah hay wafa*, 412.

فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، 412۔

45. Ibid, 438.

ایضا، 438۔

46. Ibid, 324.

ایضا، 324۔

47.Ibid, 440.

ایضا، 440۔